

جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور کا ترجمان

نوائے خادم

زیر سرپرستی

ولی کامل، استاذ العلماء والصلحاء

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا ابو عبید خادم حسین شجاع آبادی صاحب مدظلہ

مہتمم جامعہ ھذا



جمعیت طلباء عثمانیہ

jamiausmania1.blogspotr.com
nawaekhadim@gmail.com



نوائے خادمِ اراکین

بیاد

- مہر احمد بخش مرحوم
- مولانا یسین احمد عثمانیؒ
- مولانا محمد حفظ الرحمن فاروقؒ

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت مولانا خادم حسین صاحب
دامت برکاتہم العالیہ

زیرِ نگرانی

- حضرت مولانا احمد قاسمی صاحب
- مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

مدیرِ اعلیٰ

حضرت مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب

مدیر

مولانا محمد داؤد الرحمن علی صاحب

مدیرِ معاون

مولانا سہیل نواز عثمانی صاحب

مجلسِ مشاورت

- مولانا شوکت علی اعوان صاحب
- مولانا محمد اکرم عثمانی صاحب
- مفتی محمد شمس الرحمن عثمان صاحب
- قاری محمد عبید اللہ صاحب
- ڈاکٹر مفتی عتیق الرحمن صاحب
- مولانا عبد اللہ ہزاروی صاحب
- مولانا عمیر نواز صاحب
- ڈاکٹر محمد عثمان غنی صاحب
- قاری محمد اسلام صاحب
- صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ صاحب

فہرست مضامین



اداریہ



محمد داؤد الرحمن علی (مدیر مجلہ نوائے خادم)

میری قسمت کی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت میں حرمینِ شریفین کی مقدس فضا میں بیٹھ کر مجلہ "نوائے خادم" آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ اللہ رب العزت کی وہ خاص عنایت ہے جس کی روشنی میں دل کے تاروں میں شکر کے نغمے بجاتے ہیں۔ اللہ کریم نے امسال مجھے اپنے دربارِ اقدس کی حاضری سے نوازا، اور مجھے وہ خوش نصیبی دی کہ میں حرمِ مکی و مدنی کی پاک و پُرنور فضاؤں میں سجدہ ریز ہو کر شکر ادا کر سکا۔

اللہ نے مجھے مزدلفہ، منیٰ اور عرفات کی وہ مقدس گھڑیاں عطا کیں جہاں میں نے اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو کر دعاؤں کی محفل سجائی، اور اپنے دل کی ہر تمنّا کو اُس کے سامنے پیش کیا۔ پھر اللہ نے مجھے اپنے حبیبِ رحمت ﷺ کے دربار میں درود و سلام پیش کرنے کی سعادت سے بھی نوازا، اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہم کی خدمت میں سلام عرض کرنے کی توفیق بھی دی۔

کاش الفاظ میں وہ قوت ہوتی کہ میں ان لمحات کے ثقل کو بیان کر پاتا، مگر جب قلبِ مؤمن پر ان مقدس مناظِر کی تاثیر ہوتی ہے تو زبان بھی خاموش رہ جاتی ہے، اور آنکھیں شکر کے موتی بکھیر دیتی ہیں۔

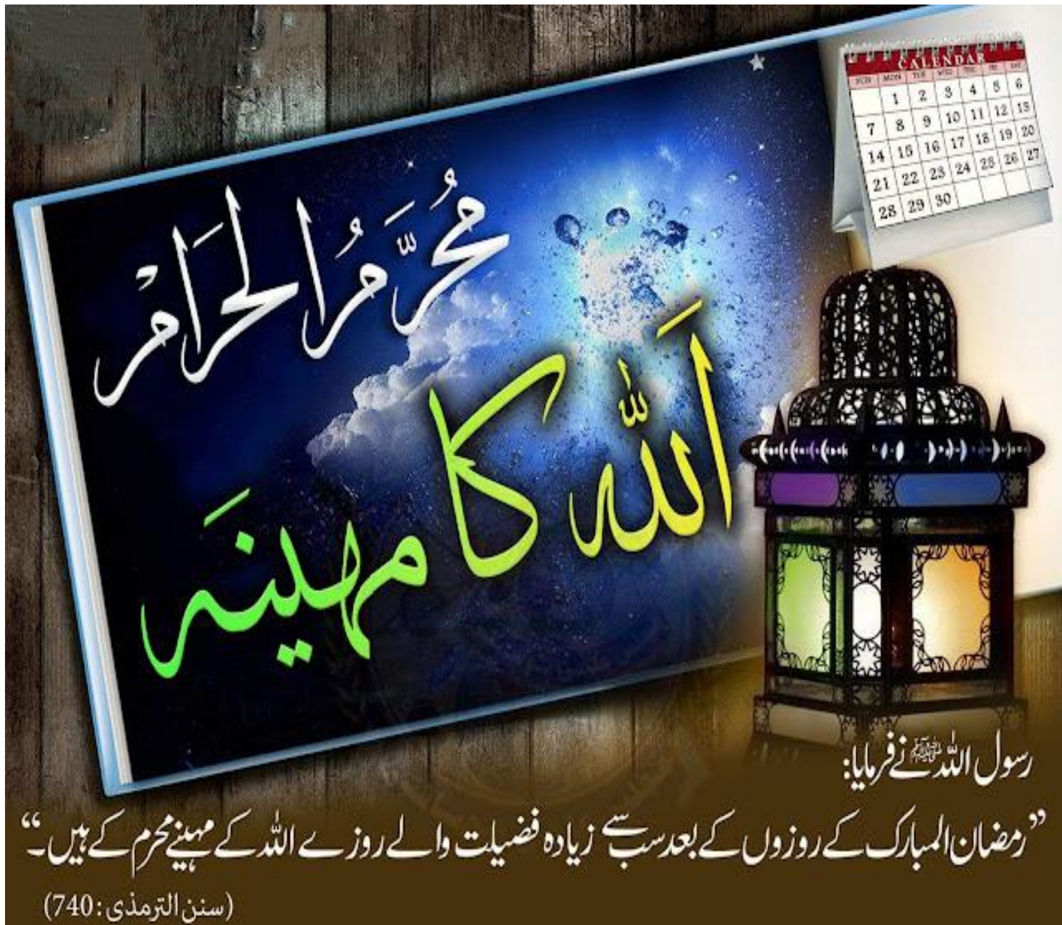


یہ رب لم یزل کا کرم ہی ہے کہ اللہ نے مجھے مسجد الحرام و مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کا شرف بخشا، اور ان پاک مقامات کی فضاؤں میں روح کو سکون و سرور عطا کیا۔

میری خوش قسمتی اور بھی بڑھ گئی کہ اس سفر حج میں میرے ساتھ میرے شیخ، میرے مربی، میرے استاد، میرے والدِ گرامی، استاد العلماء حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں۔ ان کی رہنمائی، ان کے فیوض و برکات، اور ان کے سایۂ تربیت نے اس سفر کو مزید نورانی اور معنوی بنا دیا۔

میں ربِ کائنات کا جتنا بھی شکر ادا کروں، وہ کم ہے۔ یہ وہ شکر ہے جو زبان سے نہیں، بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے۔ مجھے اس عظیم رحمت سے نوازنے پر اللہ کا بے حد احسان ہے کہ اس نے اس گناہ گار و خطاکار بندے کو بھی اپنی بارگاہ میں جگہ دی۔ میں اس قابل نہیں تھا کہ ان معطر فضاؤں میں سانس لوں، ان پاک ہواؤں میں زندگی کے ایام گزاروں، مگر ربِ کریم نے اپنی رحمت سے مجھے یہ اعزاز بخشا۔ یہ صرف اس کے کرم کا جلوہ ہے، اس کی محبت کا انعام ہے، اور اس کی رحمت کا شاہکار ہے۔

اللہ تعالیٰ میرے اس سفر کو اپنی رضا کا سبب بنائے، توشہ آخرت بنائے اور مجھ سمیت سب کو بار بار اس سفر کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین



درس قرآن



حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

’’وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا ان اللہ سمیعٌ علیمٌ ‘‘ (آیۃ: ۲۴۴)

اس آیت میں امتِ محمدیہ کو خطاب ہے کہ جہاد کرو بنی اسرائیل کی طرح بزدل نہ بنو، وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے، مگر موت نے ان کو نہیں چھوڑا جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں ہے، کہ جب انہیں جہاد کا حکم ملا، گھروں سے بھاگے، کہیں جہاد میں لقمۂ اجل نہ بن جائیں، پھر بھی بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کر دی اور سب مر گئے۔ پھر ایک مدت کے بعد ان کو زندہ کیا تاکہ قدرتِ خداوندی کا مشاہدہ کر لیں کہ قدرتِ خداوندی کے مقابلے میں کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔**واعلموا ان اللہ سمیعٌ علیمٌ**...اللہ کے حکم پر عمل کرو، وہ تمہاری گفتگو سن رہا ہے کہ کون ترغیبِ جہاد دیتا ہے اور کون متنفر کرتا ہے، اسی طرح تمہارے اسرارِ قلوب سے واقف ہے کہ کون دین کی خاطر مجاہد ہے اور کون مال غنیمت کی خاطر اور نیک نامی کی خاطر لڑتا ہے۔

حکمِ جہاد پانچویں بار:**’’الم تر الی الملأ من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ‘‘... (آیۃ: ۲۴۶)**

یہاں آیۃ نمبر ۲۴۶ سے لے کر ۲۵۲ آیت تک ایک واقعہ کے ضمن میں امتِ محمدیہ کو ترغیبی حکمِ جہاد دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے کا ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام پیغمبر تھے، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ایک زبردست قوم عمالقہ نے بنی اسرائیل کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور عورتوں اور بچوں کو بھی لے گئے تو بنی اسرائیل کے شرفاء نے حضرت شمویل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارا قائد متعین کر دیں ہم ان کے ساتھ لڑتے ہیں۔ حضرت نے طالوت کو فوجی افسر مقرر کر دیا تو قوم نے اعتراض کیا کہ قیادت کے مستحق تو ہم تھے، آپ نے اس کو قائد کیسے بنا دیا؟ نہ تو یہ سبطِ نبوت یعنی لاوی بن یعقوب میں سے ہے اور سبطِ مملکت یعنی یہودا کی اولاد میں سے ہے، کیونکہ حضرت طالوت حضرت یعقوب علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے بنیامین کی اولاد میں سے تھے۔ تو حضرت شمویل نے انہیں تین جواب دیئے:

(۱) یہ انتخاب خداوندی ہے تمہیں چوں وچرا کا حق نہیں...

(۲) یہ قیادت کے مستحق ہیں، اس میں صلاحیت ہے جنگ میں دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے علم و جسم، یعنی فنون سپہ گری سے واقف ہو اور جسمانی طور پر طاقتور اور رعب دار ہو یہ دونوں چیزیں اس میں موجود ہیں، **بسطۃً فی العلم والجسم**۔

(۳) اس انتخاب میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ تمہارا سطحی ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس واسطے ان کی قیادت کو تسلیم کر کے جہاد کرو پھر اس پر ظاہری دلیل بھی یہ پیش فرمائی کہ ان طالوت کی قیادت حق ہونے کی یہ علامت ہے کہ جو صندوق جس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے بقایا تبرکات موجود ہیں، حملہ کے وقت عمالقہ لے گئے تھے، وہ ملائکہ اُن سے لے کر تمہیں واپس لا دیں گے۔

چنانچہ ایسا ہوا تو مجبوراً انہوں نے قیادت تسلیم کی، جہاد کے لئے تیار ہوئے، جالوت کے ساتھ مقابلہ تھا، فوج کا امتحان لیا گیا، سخت گرمی تھی پیاس لگی ہوئی تھی، راستہ میں نہر آئی تو فرمایا ایک چلو سے زیادہ پانی کوئی نہ پیئے۔ ۳۱۳ کے علاوہ سب فیل ہو گئے، انہوں نے پانی خوب پی لیا، پیاس تیز ہو گئی اور پیٹ پھول گئے، تو کہنے لگے **''لاطاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہٖ''**... صرف ۳۱۳ نے جہاد کیا اور جالوت کے لشکر عظیم کو شکست دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی اس فوج میں سپاہی تھے، انہوں نے جالوت کو قتل کیا بعد میں ان کو نبوت و حکومت ملی۔ تو اس واقعہ کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حکم جہاد دیا کہ جہاد میں عزت ہے، اس پر ضرور عمل کرو۔

حکمِ جہاد چھٹی بار: **''لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغیّ '' (آیۃ: ۲۵۶)**



اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جہاد کرو مگر مقصد جہاد کسی کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے کہ لوگوں کو بزورِ شمشیر ایمان پر مجبور کیا جائے بلکہ جہاد فتنہ فساد ختم کرنے کے لئے ہے، زبردستی مسلمان بنانا حکمت ابتلاء کے خلاف ہے اور مجبوری کا ایمان قبول بھی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنی رضا و رغبت سے مسلمان ہو جائے پھر مرتد ہو جائے تو اُسے دوبارہ اسلام کی طرف مجبور کیا جاتا ہے، اُس کے اعتراض و شبہات کا رَد کیا جاتا ہے پھر بھی وہ مسلمان نہ ہو، توبہ نہ کرے تو تین دن کے بعد قتل کر دیا جاتا ہے، عورت ہو تو قید کر دی جاتی ہے تاکہ اسلام کھلونا نہ بن جائے اور باغی دندناتا نہ پھرے۔ باغی کی سزا قتل ہے بالاتفاق!

محرم الحرام اور یومِ عاشوراء کے حوالے سے سنگین غلط فہمی کا ازالہ

واقعہ کربلا اسلامی تاریخ کا اہم ترین سانحہ ہے جس میں نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، نوجوانانِ جنت کے سردار سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت ہوئی۔ چونکہ یہ واقعہ 10 محرم الحرام یومِ عاشوراء کے دن وقوع پذیر ہوا تھا اس لیے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلاء ہو گئے کہ ماہِ محرم الحرام اور یومِ عاشوراء صرف اسی لیے مقدّس و بابرکت ہے کہ اس میں واقعہ کربلا پیش آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کربلا کا دلخراش سانحہ تو سن 61 ہجری میں پیش آیا جبکہ:

- ✓ ماہِ محرم الحرام کائنات کی تخلیق کے دن سے سابقہ شریعتوں میں مقدّس و بابرکت چلا آرہا ہے۔ (القرآن سورۃ التوبۃ:36)
- ✓ عاشوراء (10 محرم الحرام) کے دن ہی حضرت موسی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا فرعون اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تھا اور اللہ نے فرعون کو غرق اور بنی اسرائیل کو نجات عطا فرمائی، جس کی وجہ سے یومِ عاشوراء موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اور یہودیوں کے نزدیک بھی مقدس و بابرکت ٹھہرا۔ (صحیح بخاری:3216)
- ✓ ابتداء اسلام میں جب تک رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، عاشوراء کا روزہ رکھنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)
- ✓ حضورِ اقدس ﷺ کے عہدِ مبارک میں بھی عاشوراء مقدّس سمجھا جاتا تھا۔ (احادیثِ صحیحہ)
- ✓ حضورِ اقدس ﷺ نے یومِ عاشوراء کے روزے کو سنت اور گذشتہ سال کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ قرار دیا۔ (صحیح مسلم)

لہذا محرّم الحرام اور عاشوراء کی فضیلت کو صرف واقعۂ کربلا سے جوڑنا، اسے سوگ کا مہینہ سمجھنا، اس میں سیاہ لباس پہننا اور شادی بیاہ و دیگر خوشی کی تقریبات سے بچنا درست نہیں۔ عاشوراء کا دن واقعہ کربلا کی وجہ سے مقدّس نہیں بلکہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور انکے ساتھیوں کیلئے شرف و فضیلت کا مقام ہے کہ اللہ نے ان پاکیزہ نفوس کو ایسے دن شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا جو روزِ اوّل سے مقدّس و محترم چلا آرہا ہے۔

درس حدیث



حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں ہم غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے راستے میں دیہاتی آگئے اور آپ اکو چمٹ گئے اور مانگنے لگے، آپ اانہیں دیتے گئے ان کے دبائو اور بھیڑ کی وجہ سے آپؐ خاردار جھاڑیوں میں پھنس گئے اور آپ اکی چادر مبارک انہوں نے اُچک لی، آپ اکھڑے ہوگئے اور فرمایامیری چادر دے دو اور یقین رکھو اگر میرے پاس اس وادی کی جھاڑیوں جتنے بھی اونٹ ہوتے تو بھی میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا تم مجھے بخیل جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔

ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ بَخِیْلًا وَلَا كَذُوْبًا وَلَا جَبَانًا.

"پھر تم نہ پاتے مجھے بخیل نہ جھوٹا نہ بزدل"۔(رواہ البخاری، مشکوٰۃ۵۱۹)

حضرت انس کا بیان ہے کہ جب آپ اصبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینے کے خدام اپنے اپنے برتنوں میں پانی لئے کھڑے ہوتے تاکہ آپؐ اس میں برکت کے لئے ہاتھ ڈالیں، تو آپؐ سب کے برتنوں میں ہاتھ ڈالتے۔ بعض دفعہ سردیوں کے موسم میں پانی سخت ٹھنڈا ہوتا آپؐ پھر بھی ان کی خوشی کے لئے تکلیف برداشت کر کے ہاتھ ڈالتے تھے۔(رواہ مسلم)

مدینہ منورہ میں کوئی باندی بھی بالفرض آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر لے جانا چاہتی تو آپؐ اس کے ساتھ چلے جاتے تھے۔ فرماتے ہیں ”مدینہ میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں کچھ کمی تھی یعنی جھلّی تھی وہ کہتی یارسول اللہ! میرا ایک کام ہے، آپؐ فرماتے آپ کا کیا کام ہے، جہاں بھی آپ کا کام ہے میں حاضر ہوں بعض دفعہ وہ لے جاتی تو آپؐ اس کا کام کر دیتے“۔ (رواہ مسلم)

عَنْ اَنَسٍ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبَّابًا كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ مَالَہٗ تَرِبَتْ جَبِيْنُہٗ۔ (كنزالعمال جلد ۷ ص ۸۲)

حضور علیہ السلام یاوہ گوئی نہیں کرتے تھے نہ لعنت کرتے نہ گالی دیتے بلکہ ناراضگی کے وقت کہتے اسے کیا ہے؟ اس کی پیشانی مٹی آلود ہو۔ (کنزالعمال جلد ۷ ص ۸۲)

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِہَا فَاِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَہُہٗ عَرَفْنَاہُ فِيْ وَجْہِہٖ۔ متفق عليہ

”آپ علیہ السلام پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیاء و شرم والے تھے۔ جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم ناگواری کے آثار آپؐ کے چہرہ انور میں محسوس کر لیتے“۔





حمد باری تعالیٰ

محمد داؤد الرحمن علی

حمد ہے اس خدا کی جو ربِ دو جہاں ہے
ذرّہ ذرّہ جس کے نور سے کہکشاں ہے
وہی ہے خالقِ ارض و سما، مالکِ کل
اسی کے حکم سے چلتا یہ سارا جہاں ہے
نہ اس کا کوئی ثانی، نہ اس کا کوئی مثل
وہی قدیم و قائم، وہی لامکاں ہے
وہی دیتا ہے رزق، وہی کرتا ہے عطا
اسی کی رحمتوں سے دل کو اماں ہے
اندھیروں میں وہی روشنی بن کے آئے
ٹوٹے دلوں کے لیے وہی سائباں ہے
زبانیں خاموش ہوں، تو دل بول اٹھیں
اسی کی حمد میں ہر سانس رواں ہے
گنہگاروں کو بھی وہ نہ کرتا ہے رد
کہ اس کا نام ہی غفور و رحمان ہے
اے رب! قبول فرما داؤد کی یہ ثنا
یہی تیری بندگی، یہی میری پہچان ہے

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد داؤد الرحمن علی

مصطفیٰ ﷺ آپ پر دل، جاں فدا
میرا ایمان ہے آپ پر با خدا
آپ آئے تو شبِ غم کی سیاہی چھٹ گئی
جو تھی دل پر مُہرِ کفر کی ہٹ گئی
رحمتِ دو جہاں بن کے نورِ ہدیٰ
زلفیں حسیں اور چہرہ بدرِ الدجیٰ
رب نے آپ کو یٰسیں، مزمّل، مدثّر کہا
آپ شیریں سخن، آپ دل کی دھڑکن سدا
چاند بھی مدہوش ہوا، ستارے بھی جھکے
پھولوں نے خوشبو سے آپ کو سلام کہا
ہر نفس بن گیا راہِ رب کا گدا
ہر دل میں جاگی ہے محبتِ نبی کی صدا
راہِ حق دکھائی، شمعِ ایماں جلائی
ہر سانس میں بس آپ کی دعا آئی
جامِ کوثر ہو پینا مقدّر مرا
شفاعتِ نبی ﷺ بھی ہو نصیبِ مرا





حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل

مولانا محمد اکرم عثمانی

نام ونسب:۔

عِکرِمَہ بن ابی جہل بن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرشی تھا۔

آپؓ کا تعلق قریش کے مشہور اور سردار قبیلے بنی مخزوم سے تھا۔ آپؓ کے والد ابو جہل (عمرو بن ہشام) اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے، جنہیں نبی کریم ﷺ نے فرعونِ امت فرمایا تھا۔(الاستیعاب، ابن عبد البر، جلد 3، صفحہ 1001)

کنیت:۔

آپؓ کی کنیت ''ابو عمارہ'' تھی۔(الاصابہ، ابن حجر، جلد 4، صفحہ 473)

صاحب اسد الغابہ نے آپؓ کی کنیت ''ابو عثمان'' لکھی ہے۔(اسد الغابہ اردو ج ۷ ص ۵۸۱)

لقب:۔

اسلام کے بعد آپؓ کو "فارسُ القُرّاءِ" (قاریوں کا سوار / مجاہد) کہا جاتا تھا، کیونکہ آپ قرآنِ کریم کے حافظ، فقیہ اور میدانِ جہاد کے دلیر سپاہی تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد 5، صفحہ 529)

نکاح:۔

آپ کا نکاح ام حکیم بنت حارث بن ہشام بن مغیرہ سے ہوا، جو قریش کی معزز خاتون تھیں، اور بعد ازاں مسلمان ہو گئیں۔ انہی کے ذریعے حضرت عکرمہ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امان ملی تھی۔ (الاستیعاب، ابن عبد البر، جلد 4، صفحہ 1780)

قبول اسلام:۔

فتح مکہ کے موقع پر جب قریش کے کئی سرداروں کو معافی دی گئی، تو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ان افراد میں شامل تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے "مباح الدم" (جن کا قتل کا حکم دیا تھا)۔

لیکن بعد میں جب ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشامؓ جو فتح مکہ سے قبل اسلام لا چکی تھیں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے لیے امان طلب کی، تو نبی کریم ﷺ نے ان کو معاف فرما دیا۔ (اسد الغابہ اردو ج۷ ص ۵۸۲)

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یمن کی طرف فرار ہو کر کشتی کے ذریعے حبشہ جانے کا ارادہ کیا، لیکن راستے میں طوفان آیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر نجات ملی تو اسلام قبول کریں گے۔ جب بچ کر واپس آئے تو نبی ﷺ کے سامنے آ کر اسلام قبول کیا، اور نبی کریم ﷺ نے خوشی سے ان کو معاف فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی، جلد 2، صفحہ 393 / الاصابہ، ابن حجر، جلد 4، صفحہ 474)

حضرت عکرمہؓ کی فضیلت:۔

نبی کریم ﷺ نے آپؓ کو اسلام قبول کرنے پر خوشی کا اظہار فرمایا اور ان کے ماضی کو معاف کر دیا۔ آپؓ نے قرآن حفظ کیا اور اہل علم میں شامل ہو گئے۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے صحابہؓ آپ کی علمی قابلیت اور شجاعت کی تعریف کرتے تھے۔ آپؓ نے روم، شام اور یمامہ کی جنگوں میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 9، صفحہ 50)

حضرت عکرمہؓ کی جنگ یمامہ میں شرکت:۔

حضرت عکرمہؓ جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف مجاہد بن کر شریک ہوئے۔(البدایہ والنہایہ، جلد9، صفحہ 50)

اسی طرح شام، یرموک، اور روم کے خلاف فتوحات میں شریک رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر جنگ میں سب سے آگے ہوتے تھے اور شہادت کی آرزو رکھتے تھے۔(البدایہ والنہایہ، جلد9، صفحہ 50)

شہادت:۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے خلاف ایک جنگ میں زخم کھائے اور شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔

بعض روایات کے مطابق انہوں نے خود نذر مانی تھی کہ کفار کے خلاف لڑتے ہوئے جان دوں گا، اور اللہ نے انہیں شہادت نصیب فرمائی۔

ان کی شہادت 13 یا 14 ہجری میں شام یا یرموک کے معرکہ میں ہوئی۔(سیر اعلام النبلاء، جلد2، صفحہ 396 / الاصابہ، ابن حجر، جلد4، صفحہ 475)

10 محرم الحرام کے 3 اہم کام!

1 توبہ واستغفار کا اہتمام:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''محرم، اللہ کا مہینہ ہے۔ اس میں ایک دن (10 محرم) ایسا ہے جس میں اللہ نے ایک قوم (بنی اسرائیل) کی توبہ قبول فرمائی تھی اور اس دن اللہ تعالی دوسری قوموں کی بھی توبہ قبول فرمائے گا'' (سنن الترمذی : 741 ،حدیث حسن)

2 روزہ رکھنا:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ سبحانہ وتعالی سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ یوم عاشوراء (10 محرم الحرام) کے روزے کو گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنادے گا۔''
(صحیح مسلم: 2747, حدیث صحیح)

3 اہل وعیال پہ فراخدلی سے خرچ کرنا:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص عاشوراء (10 محرم) کے دن اپنے اہل و عیال پر فراخی سے خرچ کرے گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے رزق میں سال بھر کشادگی عطا فرمائے گا۔
(المعجم الکبیر للطبرانی : 10007)

فضائل ذی قعدہ



محمد داؤدالرحمن علی

"ذیقعدہ" اسلامی قمری سال کا گیارہواں مہینہ ہے۔

ذیقعدہ کے نام کی لغوی تحقیق:۔

اس مہینے کو عربی میں "ذوالقعدہ" یا "ذی القعدہ" کہا جاتا ہے۔

ذوالقعدہ یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔(1)ذو(2)القعدہ "ذو" کا معنی اردو میں "والے" کے آتے ہیں اور "قعدۃ" کے معنی بیٹھنے کے آتے ہیں۔(المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر لأبي العباس:2/510، ط:المکتبۃ العلمیۃ)

ذیقعدہ کی وجہ تسمیہ:۔

زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب اس مہینے میں جنگ و جدال کو حرام سمجھتے تھے اور اسلحہ رکھ دیتے تھے، کوئی کسی کو قتل نہیں کرتا تھا، حتی کہ باپ، بیٹے کے قاتل کو بھی اس مہینہ میں کچھ نہیں کہا جاتا تھا، چونکہ وہ لوگ اس مہینے میں قتل و قتال سے الگ تھلک ہو کر بیٹھ جایا کرتے تھے، اس لئے اس مہینہ کا نام "ذوالقعدہ" یعنی بیٹھنے والا مہینہ رکھا گیا۔(تفسیر الطبري:3/579، ط:مؤسسۃ الرسالۃ)

فضائل ذیقعدہ:۔

ذیقعدہ کا مہینہ ان چار مہینوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالی نے "اشہُر حُرُم" یعنی حرمت والے مہینے قرار دیا ہے۔

سورۃ توبہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے۔ جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے، جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ (التوبۃ، الایۃ:36، آسان ترجمۂ قرآن، مفتی محمد تقی عثمانی)

ماہ ذیقعدہ حج کی تیاری کا دوسرا مہینہ ہے:۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: حج کے مہینے طے شدہ اور معلوم ہیں۔ (القرآن الکریم: البقرۃ، الایۃ:197)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اشہر حج تین ہیں، جن میں سے پہلا شوال اور دوسرا ذیقعدہ اور تیسرا ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ (فتح الباري:420/3، ط: دار المعرفۃ)

ماہ ذیقعدہ میں موسی علیہ السلام نے کوہ طور پر اعتکاف فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، جن تیس دن اور دس دنوں کا وعدہ فرمایا تھا، وہ تیس دن یہی ماہِ ذیقعدہ اور دس دن ماہِ ذی الحجہ کے ہیں۔ (لطائف المعارف لابن رجب: ص:256، ط: دار ابن کثیر)

آپ ﷺ نے سارے عمرے ماہ ذیقعدہ میں ادا کئے:۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے عمرے ذیقعدہ میں ادا کئے، سوائے آخری عمرے کے، وہ حج کے مہینہ میں کیا، البتہ اس کا احرام ذیقعدہ میں باندھا تھا، جیسا کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے۔ (سنن أبي داوٗد: رقم الحدیث: 1993)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے ادا فرمائے، ان میں سے تین تو ذیقعدہ میں، جب کہ ایک عمرہ بروز اتوار 4/ذی الحجہ 10ھ کو حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا، مدینہ سے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی روانگی ماہِ ذیقعدہ میں ہوئی تھی، اور احرام بھی آپ نے اسی مہینے میں باندھا تھا، اور اس کے اعمال ذی الحجہ میں سرانجام دیئے تھے۔(شرح النووی علی مسلم:8/235، ط:دار إحیاء التراث العربي)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کو عمرہ کے لیے کیوں خاص فرمایا؟

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ ذیقعدہ میں یہ عمرے اس لیے ادا فرمائے، تاکہ لوگ اس مہینے کی فضیلت اور عظمت سے واقف ہو جائیں اور اہلِ جاہلیت کی مخالفت بھی ہو جائے، کیونکہ وہ اس مہینے میں عمرہ کرنا بڑا گناہ سمجھتے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے پے درپے اس مہینے میں عمرے ادا فرمائے، تاکہ لوگ اس کے جواز کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان کے ذہنوں سے زمانۂ جاہلیت کے اثرات پوری طرح ختم ہو جائیں۔(شرح النووي علی مسلم:8/236، ط: دار احیاء التراث العربي)

فضیلت:۔

علامہ ابو طالب مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ذیقعدہ کے مہینہ کی افضلیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں دو وصف ایک ساتھ جمع ہیں اور وہ "اشہُرِ حُرُم" میں سے ہونا اور "اشہر حج" میں سے ہونا ہے"۔(قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب لأبي طالب المکي:1/115، ط:دار الکتب العلمیۃ)

ماہ ذیقعدہ کو منحوس سمجھنا:۔

دین اسلام میں بعض خصوصیات کی بناپر بعض اوقات کے فضائل وبرکات کو تو بیان کیا گیا ہے، لیکن کسی زمانے اور وقت کی نحوست کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، زمانے کو بُرا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانے کا پیدا کرنے والا ہوں۔میرے ہی ہاتھ میں تمام کام ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں، رات اور دن کو پھیر تا رہتا ہوں۔(صحیح البخاري:رقم الحدیث:7491)

اس سے پتہ چلا کہ نحوست وسعادت کا سبب زمانہ وغیرہ نہیں ہے، نہ کوئی دن منحوس ہے، نہ کوئی مہینہ، نہ کسی مکان میں نحوست ہے، نہ کسی انسان میں، بلکہ اصل نحوست معصیت اور گناہ کے اعمال میں ہے۔لہٰذا ماہ ذیقعدہ کو منحوس سمجھنا جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں، یہ بڑی سخت بات اور باطل عقیدہ ہے۔(اسلامی شادی:ص:141، مکتبۃ الحسن)

ذیقعدہ کو "خالی کا مہینہ" کہنا:۔

بعض جہلاء ذیقعدہ کے مہینے کو "خالی کا مہینہ" کہتے ہیں اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ مہینہ اپنے سے پہلے اور بعد کے مہینہ کے برعکس عید الفطر اور عید الاضحی سے خالی ہوتا ہے، اور "خالی" کا مطلب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں کسی نیک عمل و طاعت کی بالکل ضرورت نہیں، یہ خیال بالکل غلط، فاسد اور سراسر جہالت پر مبنی ہے۔

حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ "فتاوی رحیمیہ" میں لکھتے ہیں:

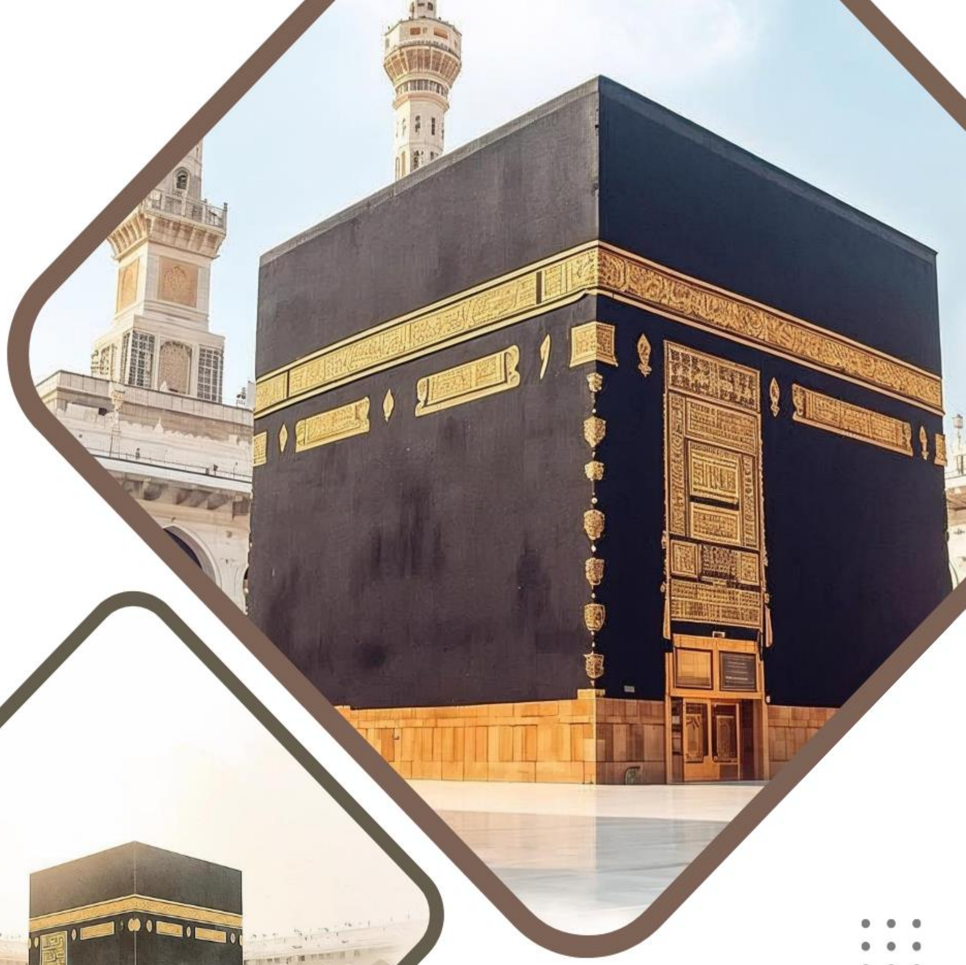
اس ماہ مبارک کو نامبارک اور برکت سے خالی سمجھ کر "خالی" کہا جاتا ہے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔ ذیقعدہ کہنا چاہیے، خالی نہیں کہنا چاہئے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے نماز عشاء کو عشاء کے بجائے عتمہ کہنے کی ممانعت آئی ہے۔ (مرقاۃ ج:۱ص:۳۹۹)

ایسے ہی اس غلط نام کے استعمال کرنے میں بھی احتیاط کرنی چاہئے۔ (فتاوی رحیمیۃ:113/2، ط:دار الاشاعت)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو باطل نظریات ورسومات سے بچتے ہوئے اصل حقیقی دین اسلام کی فضیلت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے دس مناظر







مولانا ضیاء الرحمن

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(1) اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، لہٰذا تم آپس میں ظلم نہ کرو۔

(2) اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں؛ پس تم مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمہیں ہدایت عطا کروں گا۔

(3) اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں؛ لہٰذا تم مجھ سے رزق طلب کرو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔



(4) اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں؛ پس تم مجھ سے لباس مانگو، میں تمہیں لباس عطا کروں گا۔

(5) اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشنے والا ہوں؛ لہٰذا تم مجھ سے مغفرت طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔

(6) اے میرے بندو! تم میں اتنی قدرت نہیں کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو، اور نہ ہی تم میں یہ طاقت ہے کہ مجھے کوئی نفع پہنچا سکو۔

(7) اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، جن وانس سب کے سب تم میں سے کسی سب سے زیادہ پرہیز گار شخص کی طرح ہو جائیں، تو اس سے میری بادشاہت میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہو گا۔

(8) اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، جن وانس سب کے سب تم میں سے کسی بدترین شخص کی طرح ہو جائیں، تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

(9) اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، جن وانس سب ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے مانگنے لگیں اور میں ہر ایک کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کرتا جاؤں، تو اس سے میرے خزانے میں اتنی بھی کمی نہ ہو گی جتنی سمندر میں سوئی ڈبونے سے ہوتی ہے۔

(10) اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں، پھر تمہیں ان کا پورا بدلہ دیتا ہوں؛ پس جسے بھلائی ملے وہ اللہ کا شکر ادا کرے، اور جسے اس کے سوا کچھ ملے تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2577/ فی ظلال القرآن، ج2، ص571)



آپ ﷺ کی قیمتی وصیت

مولانا محمد سہیل نواز عثمانی



حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک دن حضور پاک ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! واللہ، میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا، خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا"

اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَىٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

"اے اللہ! میری مدد فرمایئے اپنے ذکر و شکر اور اپنی اچھی عبادت پر۔" (ابو داؤد: ۲۱۳، نسائی، ترغیب: ۴۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:



نبی پاک ﷺ جب تک (اس دنیا میں) باحیات رہے کبھی اس دعا کو نہیں چھوڑا (ہمیشہ پڑھتے رہے):

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أَعْظَمَ شُكْرِكَ وَأَكْثَرَ ذِكْرِكَ وَأَتَّبِعَ نَصِيحَتَكَ وَأَحْفَظَ وَصِيَّتَكَ

"اے اللہ! مجھے خوب شکر کرنے والا، کثرت سے ذکر کرنے والا، نصیحت ماننے والا اور اپنی وصیت کی حفاظت کرنے والا بنا دیجئے۔" (ترمذی:۲۰۱، مجمع الزوائد:۱۰/۱۷۲، مشکوٰۃ:۲۲۰)



رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مجھے اللہ کی ذات پہ یقین ہے کہ وہ یومِ عاشوراء (10 محرم الحرام) کے روزے کو گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنادے گا۔" (صحيح مسلم: 2803)

بعدازاں جب رسول اللہ ﷺ نے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہود و نصاریٰ بھی اس دن کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب اگلا سال آئے گا تو ہم (یہود و نصاری کی مشابہت سے بچنے کے لیے) ان شاء اللہ نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھیں گے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (صحيح مسلم :2722)

یومِ عاشوراء کے روزے کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا افضل اور بہتر ہے، لیکن اگر کسی نے صرف عاشوراء کا روزہ رکھا تو بھی حرج کی بات نہیں۔ نیز حدیثِ بالا سے یہ بھی پتہ چلا کہ مسلمانوں کو ہر موقع پر یہود و نصاری کی مشابہت سے بچنا چاہیے۔

صحابہ کرام کی حکومت





محمد عبداللہ چترالی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے مقرر کردہ امراء اور عاملوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیا کرتے تھے، تاکہ ان کی طرزِ زندگی اور طرزِ حکومت کو دیکھ سکیں۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ کہیں ان کے مقرر کردہ حکام عیش و عشرت میں تو مبتلا نہیں ہو گئے اور یہ بھی دیکھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی کس قدر پاسداری کرتے ہیں۔ درحقیقت حکمران کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عاملوں اور گورنروں کا کڑا محاسبہ کرتا رہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک گورنر اور جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں نہیں چاہتا کہ آپ اپنی آنکھوں کا پانی بہائیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کی حقیقت سمجھ میں نہ آئی۔ جب وہ ان کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہاں دنیاوی سامان نام کی کوئی چیز نہیں۔ حیرت سے فرمایا:



''اے ابو عبیدہ! تمہارا ساز و سامان کہاں ہے؟ مجھے تو یہاں ایک پیالہ، ایک کمبل اور ایک پرانا مشکیزہ ہی نظر آرہا ہے، حالانکہ تم ایک بڑے منصب پر فائز ہو اور تمہارے پاس بیت المال بھی ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور ایک صندوقچی میں سے روٹی کے چند خشک ٹکڑے نکال کر لے آئے۔ ان کی یہ زاہدانہ زندگی دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ میری حالت دیکھ کر رو پڑیں۔ میرے لیے اتنی جگہ ہی کافی ہے کہ جہاں دوپہر کے وقت کچھ دیر آرام کر لوں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود بھی دنیا سے بے رغبت تھے، مگر یہ منظر دیکھ کر فرمانے لگے:

''اے ابو عبیدہ! تمہارے سوا ہم سب کو دنیا نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ واللہ! دنیا نے ہمیں اپنے فریب کے جال میں الجھا لیا ہے۔''

اسلام کے ابتدائی دور میں اسلامی حکومت کے وزراء اور حکام کا یہی حال تھا۔ مال و دولت ان کی دسترس میں ہوتا تھا، مگر وہ اپنی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ لیتے۔ انہوں نے قناعت اور زہد کو اختیار کیا تو عوام بھی انہی کے نقشِ قدم پر چل پڑی۔ اگر وہ حرص و طمع کے غلام ہوتے تو یقیناً رعایا بھی اسی راہ پر چلتی۔

ایک موقع پر جب اسلامی افواج نے مالِ غنیمت کے ڈھیر جمع کر دیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سپاہیوں کی دیانت اور پاکدامنی پر بڑا تعجب ہوا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین! جب آپ خود پاکدامن ہیں تو رعایا بھی پاکدامن ہے۔ آپ کا دامن خیانت سے پاک ہے، اسی لیے آپ کا عملہ بھی خیانت سے محفوظ ہے۔'' (من رشحات الخلود)



اردو کے حروف تہجی



سمیع اللہ حضروی صاحب

عام طور پر ہم حروف ابجد لکھتے ہیں لیکن ان میں کمی بیشی کر جاتے ہیں اب اِنھیں یاد رکھنے سے ان شاءاللہ ہم اس خامی یا کمی سے محفوظ رہیں گے۔

حروفِ ابجد

حروفِ ابجد کی تعداد 54 ہے جو عربی، فارسی اور ہندی سے ماخوذ ہیں۔ پہلے حروفِ ابجد دیکھ لیجیے:

ا۔ آ۔ ب۔ بھ۔ پ۔ پھ۔ ت۔ تھ۔ ٹ۔ ٹھ۔ ث۔ ج۔ جھ۔ چ۔ چھ۔ ح۔ خ۔ د۔ دھ۔ ڈ۔ ڈھ۔ ذ۔ ر۔ رھ۔ ڑ۔ ڑھ۔ ز۔ ژ۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ ک۔ کھ۔ گ۔ گھ۔ ل۔ لھ۔ م۔ مھ۔ ن۔ نھ۔ ں۔ و۔ ہ۔ ء۔ ی۔ ے

اب ان حرف کی گروہ بندی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان میں عربی، فارسی اور ہندی کے کون کون سے حروف ہیں اور آخر میں ان حروف کی نشان دہی کی جائے کی جو دو یا تینوں زبانوں میں مشترک ہیں۔

عربی حروف:

ا۔ آ۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ ح۔ خ۔ د۔ ذ۔ ر۔ ز۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ ل۔ م۔ ن۔ و۔ ء۔ ی۔ ے

فارسی حروف:

درج بالا پورے حروف فارسی میں مستعمل ہیں ان کے علاوہ *پ۔ژ* اور *گ* فارسی کے حروف ہیں۔

ہندی حروف:

ہندی حروف میں عربی کے چند حروف کے سوا اور فارسی کے *پ۔گ* ہندی میں مستعمل ہیں۔

ہندی حروف یہ ہیں:

ا۔آ۔ب۔بھ۔پ۔پھ۔ت۔تھ۔ٹ۔ٹھ۔ج۔جھ۔چ۔چھ۔د۔دھ۔ڈ۔ڈھ۔ر۔رھ۔ڑ۔ڑھ۔س۔ش۔ک۔کھ۔گ۔گھ۔ل۔لھ۔م۔مھ۔ن۔نھ۔ں۔ݨ۔و۔ہ۔ی۔ے

ہندی حروفِ تہجی میں شامل ایک حرف ڑا اصل میں پشتو زبان کا ہے۔یہ ہندی اور سنسکرت حروفِ تہجی میں شامل نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے راقم کا تحقیقی مضمون بعنوان "رائے ثقیلہ" کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔مذکورہ مضمون نوائے خادم بابت ماہ رمضان تا شوال 2026ء میں شائع ہو چکا ہے۔)

ہندی حروفِ تہجی کے علاوہ ہندی میں بعض حروف ایسے بھی مستعمل ہیں جو مرکب یعنی دو حروف سے مل کر بنے ہیں۔

مرکب حروف:

کَش(کچھ)۔ترَ۔گیَ۔دوَ۔توَ۔شوَ۔

ایک بات کی وضاحت کی جاتی ہے کہ عام طور پر بھ۔پھ۔تھ۔ٹھ۔دھ۔جھ۔چھ۔ڈھ۔رھ۔ڑھ۔کھ۔گھ۔لھ۔مھ اور نھ

کو مرکب الفاظ کہا جاتا ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں۔یہ حروف بھاری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ ھ(ہائے دو چشمی) کا اضافہ کیا گیا ہے۔یہاں ایک اور بھی وضاحت کر دی جائے کہ ھ صرف ہندی کے درج بالا حروف ہی کے ساتھ مستعمل ہے۔یہ اکیلے نہ کسی لفظ کے شروع میں نہ درمیان اور نہ ہی آخر میں استعمال ہوتی ہے البتہ عربی زبان چونکہ خطِ نسخ میں لکھی جاتی ہے اس لیے اس خط میں ہ(ہائے یک چشمی) کی جگہ ھ استعمال ہوتی ہے لیکن آواز ہائے یک چشمی(ہ) ہی کی دیتی ہے۔جیسے:

اللھم۔سفھا۔ھو وغیرہ۔



یاد رہے ! اکثر قلمکار (پینٹرز) خطِ نستعلیق لکھتے وقت مزید خوب صورتی کے لیے ہاے ہوز یعنی ہاے یک چشمی (ہ) کی جگہ ہاے دو چشمی (ھ) استعمال کر دیتے ہیں جس سے غلط املاء رواج پانے لگتی ہے اور بعض اوقات الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں اور بعض الفاظ بے معنی بن جاتے ہیں۔ جیسے:

طاہر کو طاھر، چہرہ کو چھرہ، جہاز کو جھاز اور ہاکی کو ھاکی وغیرہ۔

ان حضرات کے لیے ازحد ضروری ہے الفاظ اصل املاء کے ساتھ لکھیں اور اگر خطِ نسخ میں لکھنا ہو تو وہاں ہاے دو چشمی ہی لکھی جاتی ہے لیکن یہ در حقیقت ہاے ہوز ہی ہوتی ہے۔

ہاے دو چشمی کو ہاے مخلوط بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشوراء (10 محرم) کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا: "یہ ایک بابرکت دن ہے، اس دن اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دلائی تھی۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا۔" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہم موسیٰ علیہ السلام کے (اس عمل کو اختیار کرنے میں) تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا۔"

(صحیح البخاري:2004بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ)



ثمرۂ اخلاص





محمد سجاد صاحب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تین آدمی سفر کرتے ہوئے صحرا کی طرف نکلے۔ اچانک آسمان پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ وہ بارش سے بچنے کے لیے ایک غار میں پناہ لینے داخل ہو گئے اور رکنے کا انتظار کرنے لگے۔ اسی دوران پہاڑ سے ایک بھاری پتھر لڑھک کر آیا اور غار کے دہانے پر آگرا، جس سے راستہ بند ہو گیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر وہ اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگے۔ تب ان میں سے ایک نے کہا:

"تم میں سے ہر شخص اپنا کوئی ایسا نیک عمل یاد کرے جو اس نے خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو، اور اسی عمل کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعا کرے؛ شاید اللہ ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔"

پہلے شخص نے دعا کی:

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں اپنے والدین کا بہت فرمانبردار تھا۔ میں ہر رات ان کے لیے دودھ لاتا اور وہ اسے پیتے تھے۔ ایک رات جب میں آیا تو دیکھا کہ وہ سو چکے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا اور نہ ہی بچوں کو ان سے پہلے پلانا گوارا کیا۔ میں دودھ کا برتن ہاتھ میں لیے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔



اے اللہ! اگر میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہماری اس مصیبت کو دور فرما دے۔"

چنانچہ پتھر کچھ سرک گیا اور روشنی کی ہلکی سی کرن غار میں داخل ہو گئی، مگر راستہ ابھی پوری طرح نہ کھلا۔

دوسرے شخص نے دعا کی:

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ایک عورت سے شدید محبت کرتا تھا۔ بڑی کوشش کے بعد ایک موقع ایسا آیا کہ میں اس کے قریب ہو گیا، مگر اس نے کہا: 'اللہ سے ڈرو!' تو میں تیرے خوف سے فوراً رک گیا اور اسے چھوڑ دیا۔

اے اللہ! اگر میں نے یہ کام صرف تیرے ڈر سے کیا تھا تو ہماری مشکل آسان فرما دے۔"

چنانچہ پتھر مزید سرک گیا، لیکن ابھی اتنا راستہ باقی تھا کہ وہ باہر نہ نکل سکے۔

پھر تیسرے شخص نے دعا کی:

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے چند مزدوروں کو کام پر رکھا۔ میں نے سب کو ان کی مزدوری دے دی، سوائے ایک کے جو اپنی اجرت چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو محفوظ رکھا اور اسے کاروبار میں لگا دیا، یہاں تک کہ وہ بہت بڑھ گئی۔ کچھ عرصے بعد وہ مزدور واپس آیا اور اپنی اجرت مانگی۔ میں نے اس سے کہا: 'یہ اونٹ، گائیں، بکریاں اور غلام جو تم دیکھ رہے ہو، سب تمہاری اجرت سے پیدا ہوئے ہیں۔' وہ سب لے کر چلا گیا۔

اے اللہ! اگر میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہماری مصیبت دور فرما دے۔"

چنانچہ وہ پتھر مکمل طور پر ہٹ گیا اور تینوں آدمی صحیح سلامت غار سے باہر نکل آئے۔ (صحیح بخاری، حدیث:2272؛ صحیح مسلم، حدیث:2743)



مفلسی کا علاج



محمد اظہر صاحب

مشہور محدث ہدیہ بن خالد کو خلیفۂ بغداد مامون الرشید نے اپنے دستر خوان پر مدعو کیا۔ ضیافت اختتام کو پہنچی اور دستر خوان سمیٹا گیا تو چند لقمے زمین پر گرے ہوئے رہ گئے۔ محدثِ موصوف جھکے، وہ ٹکڑے اٹھائے اور نہایت اطمینان سے کھانے لگے۔

مامون الرشید نے یہ منظر دیکھا تو تعجب سے کہا:

"اے شیخ! کیا ابھی آپ کی بھوک باقی ہے؟"

انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

"نہیں، میں تو سیر ہو چکا ہوں؛ لیکن مجھ سے حماد بن سلمہ نے ایک حدیث بیان کی ہے۔"

پھر انہوں نے روایت بیان کی:

قَالَ سَمِعْتُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ:

مَنِ الْتَقَطَ مَا تَحْتَ مَائِدَتِهِ أَمِنَ مِنَ الْفَقْرِ

"جو شخص دستر خوان کے نیچے گرے ہوئے لقموں کو اٹھا کر کھا لے، وہ فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔" (المعجم الأوسط للطبرانی، حدیث: 5936؛ شعب الإيمان للبيهقی، حدیث: 5952)

پھر فرمایا:

"میں اسی حدیثِ مبارکہ پر عمل کر رہا ہوں۔"

یہ سن کر مامون الرشید بہت متاثر ہوا۔ اس نے اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ خادم فوراً ایک رومال میں بندھے ہوئے ایک ہزار دینار لے آیا۔ مامون الرشید نے وہ دینار عقیدت کے ساتھ ہدبہ بن خالد کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیے۔

ہدبہ بن خالد نے فرمایا:

"یہ اسی حدیث پر عمل کی برکت ہے۔" (ماخوذ: ثمرات الأوراق فی المحاضرات، ابن حجۃ الحموی، ج 1، ص 8)

غفلت کی حالت میں سونا!

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص (سونے کے لیے) بستر پر لیٹے اور اللہ تعالی کا ذکر نہ کرے تو یہ اس کے لئے قیامت کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہو گا۔"

(سنن أبي داؤد:5061 باب مَا يُقَالُ عِنْدَ النَّوْمِ, حديث حسن)







عقل کا دائرۂ کار

محمد سعید صاحب

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ عقل کی مثال اُس ترازو کی سی ہے جس سے سونا اور جواہرات تولے جائیں۔ اگر اس ترازو سے سونا چاندی کا وزن معلوم کرنا چاہو تو صحیح وزن معلوم کرسکتے ہو، لیکن اگر اسی ترازو سے پہاڑوں کو تولنا چاہو تو یہ ناممکن اور محال ہے۔

اسی طرح عقل سے اس کے دائرے کی چیزیں معلوم ہوسکتی ہیں، لیکن اگر یہ چاہو کہ اس بے چاری اور کمزور عقل سے خداوندِ ذوالجلال کی ذات وصفات اور عالمِ غیب اور عالمِ ملکوت کی چیزوں کو معلوم کرلو تو یہ امر محال ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل بے کار ہے، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ بارگاہِ قدس اور عالمِ غیب کی چیزوں کے ادراک ومعرفت میں قاصر اور درماندہ ہے۔

اپنے محدود دائرے کی چیزوں کو معلوم کرنے کی صحیح میزان ہے، اس میں بے کار نہیں؛ جیسے سونا چاندی تولنے کی ترازو فی نفسہٖ صحیح میزان ہے اور رتی بھر غلطی نہیں کرتی، سونے اور چاندی کا وزن ٹھیک بتلاتی ہے، لیکن اس سے پہاڑوں کے وزن کا تصور کرنا حماقت ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص350، بحث علم الکلام)

مترادفات القرآن





محترمہ سیدہ فاطمہ طاہرہ صاحبہ

آگے / سامنے

اس کے لیے قبل، قبل اور بین ایدی کے الفاظ آئے ہیں

1: قبل

اور قبل (ضد دبر اور دبر) ہر چیز کا آگے کا حصہ جو پہلے نظر آئے (منجد) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡ اَنَّـنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓـئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰى وَ حَشَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ كُلَّ شَىۡءٍ قُبُلاً مَّا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡۤا (سورۃ الانعام آیت 111)

اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لاموجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

اور قبل بمعنی طاقت اور قدرت بھی ہے (منجد) اور قبل کسی ایسی چیز کے سامنے آنے کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ کی طاقت اور سکت نہ ہو۔ ارشاد باری ہے:

بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُؕ (سورۃ الحدید آیت 13)

اس کے اندر کی جانب رحمت ہو گی اور اس کے باہر کی جانب اُس طرف سے عذاب ہو گا

دوسرے مقام پر ہے:

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِىَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًاۙ (سورة بنى اسرائيل آيت 92)

یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادو یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔

2: بین یدی

بین یدی اور بین ایدی (لفظی معنی ہاتھوں کے درمیان) کنایۃ اور محاروتا معنی آگے یا سامنے۔ (ضد خلف) اس کا استعمال ظرف زمان اور مکان دونوں طرح ہوتا ہے۔ زمانی صورت میں اس کا معنی اس وقت کے موجود لوگ یا اس دور کے لوگ ہوگا لیکن عام طور پر اس کا معنی اگلے کر لیا جاتا ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورة البقرة آيت 66)

اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لئے اور جو انکے بعد آنے والے تھے عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنا دیا۔

اور مکانی کی صورت میں اس کا معنی آگے یا آگے آگے ہوگا۔ ارشاد باری ہے:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِؕ (سورة رعد آيت 11)

اسکے آگے اور پیچھے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اسکی نگرانی کرتے ہیں۔

ماحصل:

قبل اور اس کے مشتقات میں دو چیزوں کا آمنے سامنے یا آگے اور سامنے ہونا یا روبرو ہونا ضروری ہے جبکہ بین یدی خواہ زمانی ہو یا مکانی میں چیزوں کا آمنے سامنے ہونا ضروری نہیں ہوتا۔



آگے بڑھنا

اس کے لیے قدم اور استقدم، سبق اور استبق، اقبل اور استقبل کے الفاظ آئے ہیں۔

1:قدم

قدم کے معنی چلنا، قدموں پر چلنا اور کسی کے آگے چلنا ہے (مف) قرآن میں ہے:

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (سورة هود آیت 98)

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا پھر انکو دوزخ میں جا اتارے گا۔ اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔

اور استقدم آگے بڑھنے کا ارادہ رکھنا (مف) اور اس کی ضد استاخر ہے (مف) ارشاد باری ہے:

اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (سورة یونس آیت 49)

جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کرسکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔

2:سبق

سبق کے معنی آگے بڑھنا، پیش پیش ہونا، سبقت کرنا۔ السبق شرط جو آگے نکل جانے پر رکھی جاتی ہے اور سابق بمعنی دوڑ سے جیتنے والا گھوڑا اور سبّق کے معنی شرط لینا دینا ہوتا ہے (منجد) گویا سبق میں مقابلۃً آگے نکل جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (سورة الحشر آیت 10)

اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے

اور استبق کے معنی جلد آگے بڑھنے کی کوشش کرنا (منجد) یا آگے بڑھنے کے لیے دوڑ لگانا (مف) کے لیے آتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ (سورة یوسف آیت 25)



اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے آگے یوسف پیچھے زلیخا اور عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے پکڑ کو جو کھینچا تو پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا

3:اقبل

اقبال اور استقبال دونوں کے معنی کسی کے روبرو اور اس کی طرف متوجہ ہو جانے اور آگے بڑھنے کے ہیں (مف) یعنی کسی کی جانب آگے بڑھنا۔ ارشاد باری ہے:

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ (سورۃ القلم آیت 30)

سو وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باہم ملامت کرنے لگے۔

دوسرے مقام پر ہے:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (سورۃ الاحقاف آیت 24)

پھر جب انہوں نے اس (عذاب) کو بادل کی طرح اپنی وادیوں کے سامنے آتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے: یہ (تو) بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے۔

ماحصل:

قدم میں صرف آگے چلنے یا آگے بڑھنے، سبق میں دوسروں کے مقابلہ میں آگے بڑھنے اور اقبل میں کسی شخص یا کسی چیز کے طرف منہ کر کے آگے بڑھنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

آگے بھیجنا

اس کے لیے دو الفاظ قدّم اور اسلف (سلف) آئے ہیں۔

1:قدم

اس کے اصل معنی آگے بڑھنا، آگے چلنا اور آگے نکل جانا ہے (م ل) اور قدّم بمعنی کوئی کام وقت ضرورت سے پہلے کرنا اور اس کی ضد اخّر یعنی کسی کام کو مناسب وقت پر نہ کرنا اور پیچھے ڈال دینا (مف) اور یہ مناسب وقت موت ہے یعنی موت سے پہلے اپنی زندگی میں جو اعمال انسان نے کیے وہ گویا سب اس نے اپنے اخروی زندگی کے لیے آگے بھیجے۔ ارشاد باری ہے:



وَ لَنۡ یَّتَمَنَّوۡہُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ (سورة البقرة آيت 95)

اور ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

پھر کسی شخص کو کوئی کام کرنے سے بیشتر اس کے نتائج سے آگاہ کرنے کے لیے بھی قدّم کا لفظ آتا ہے۔ مثلاً:

قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَیَّ وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَیۡکُمۡ بِالۡوَعِیۡدِ (سورة ق آيت 28)

ارشاد ہو گا: تم لوگ میرے حضور جھگڑا مت کرو حالانکہ میں تمہاری طرف پہلے ہی (عذاب کی) وعید بھیج چکا ہوں۔

2: اسلف

سلف کے معنی کسی چیز یا کام کا گزر جانا (م ا) بیع سلف وہ بیع ہے جس میں قیمت پیشگی ادا کر دی جاتی ہے اور اسلاف گزشتہ دور میں گزری ہوئی نسلوں کو کہتے ہیں۔ گزشتہ آباؤاجداد (منجد) قرآن میں ہے:

اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ (سورة النساء آيت 23)

سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا

پھر سلف کے دوسرے معنی "آگے بڑھنا" کے بھی آتے ہیں (م ل، منجد) سلیف کے معنی آگے ہونے والا، آگے چلنے والا۔ اسلاف بمعنی متقدمین (منجد) اور اسلف کے معنی زمانہ ماضی میں کوئی کام کرنا ہوتا ہے۔

ہُنَالِکَ تَبۡلُوۡا کُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ (سورة يونس آيت 30)

وہاں ہر شخص اپنے اعمال کی جو اس نے پہلے کئے ہوں گے جانچ کرلے گا

ماحصل:

قدم اور اسلف میں وہی فرق ہے جو ارتفاع اور عمق میں ہے اگر نیچے کے کنارے پر ہوں تو اسی راسی فاصلہ کو بلندی کہتے ہیں اور اوپر کے کنارے کھڑے ہوں تو وہی فاصلہ گہرائی یا عمق کہلاتا ہے۔ وہی بات یا کام جو قدم کا مفہوم ہے موقع کے لحاظ سے وہی اسلف بن جاتا ہے۔ جیسے قیامت کے دن اللہ تعالی مومنوں سے فرمائیں گے:

کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا ہَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَۃِ (سورة الحاقة آيت 24)

اُن سے کہا جائے گا خوب لطف اندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو اُن (اَعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ (زندگی کے) اَیام میں آگے بھیج چکے تھے۔

آلات جنگ

آلاتِ جنگ کے لیے اسلحہ، اوزار، حذر اور شوکۃ کے الفاظ آئے ہیں۔

1:اسلحہ

سلاح کی جمع ہے اور ہر وہ چیز سلاح ہے جس سے جنگ کی جا سکے (م ل) گویا یہ لفظ جنگی ہتھیاروں سے مخصوص ہے خواہ وہ چاقو اور نیزہ تک موقوف ہو یا رائفل اور میزائل تک۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً (سورة النساء آيت 102)

کافر تو چاہتے ہی ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔

2:اوزار

وزر کی جمع ہے جس کے معنی بوجھ، ہتھیار اور آلہ کے ہیں۔ اور جب وزر الحرب کا استعمال ہو تو یہ جنگی آلات سے مخصوص ہو جاتا ہے۔ (مف) تاہم صرف لفظ وزر سے بھی جنگی ہتھیار مراد لیا جاتا ہے۔ (وکذا الوزر: السلاح والجمع اوزار) (م ل) قرآن میں ہے:

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (سورة محمد آيت 4)

یہاں تک کہ جنگ (کرنے والی مخالف فوج) اپنے ہتھیار رکھ دے

3:حذر

اس کے اصلی معنی بچاؤ کرنا، محتاط اور چوکنا رہنے کے ہیں (م ل) یہ لفظ عام ہے۔ اگر جنگ کے سلسلہ میں استعمال ہو تو اس کا مطلب دفاعی سامانِ جنگ ہو گا۔ اس سے جہاں بچاؤ کی جگہ مراد لی جاسکتی ہے جیسے مورچے وغیرہ، بعینہ اسی طرح ڈھال سے



لے کر ریڈار تک بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ یعنی ہر وہ چیز اور ہر ہو تدبیر جس سے بچاؤ اور مدافعت کی جاسکے وہ حذر ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰىٓ اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (سورة النساء آیت 102)

اور اگر تم بارش کے سبب تکلیف میں ہو یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو مگر اپنا بچاؤ ضرور کر رکھو۔ اللہ نے کافروں کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں خذوا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں حذر سے مراد صرف ہوشیار رہنا نہیں (جیسا کہ فتح محمد صاحب نے لکھا ہے) بلکہ دفاعی سامان پر حالت میں اپنے ساتھ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن نہتّا دیکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔

4: شوکۃ

شوک بمعنی کانٹا۔ درمشاک بمعنی کانٹا چبھونا اور شوکۃ بمعنی ایک کانٹا (جمع شواک) بچھو کا ڈنگ، ہتھیار، تیزی، قوت، لڑائی، دبدبہ اور ذوشوکۃ بمعنی باہتھیار، مسلح اور شوک سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے جارحانہ ہتھیار مراد ہیں جن سے حملہ کیا جاسکے (منجد) قرآن میں ہے:

تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (سورة الانفال آیت 7)

تم یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح (کمزور گروہ) تمہارے ہاتھ آجائے

ماحصل:

اسلحہ: ہر قسم کا جنگی سامان، جنگی سامان کے ساتھ مخصوص لفظ۔

اوزار: بمعنی ہتھیار، اگر جنگ سے نسبت ہو تو آلات جنگ ورنہ نہیں۔

حذر: دفاعی جنگ اور ہتھیار۔

شوکۃ: جارحانہ لڑائی کے ہتھیار۔



ام المؤمنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا





محترمہ زنیرہ عقیل صاحبہ

نام ونسب

آپ کا اصل نام رملہ تھا اور آپ قریش کے مشہور خاندان بنو امیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کا نسب اس طرح ہے:

رملہ بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

آپ کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ تھیں۔ اس طرح والد اور والدہ دونوں کی طرف سے پانچویں پشت میں جاکر آپ کا نسب عبد مناف پر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ؛ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

کنیت

آپ کی کنیت امِّ حبیبہ ہے۔ یہ کنیت آپ کی بیٹی حبیبہ کی وجہ سے پڑی جو آپ کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے پیدا ہوئیں۔(ابن حجر، الاصابہ)

ولادت

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت نبوی سے تقریباً 17 سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ)

خاندانی پس منظر

آپ کے والد ابو سفیان بن حرب قریش کے بڑے سردار تھے۔ آپ کا خاندان بنو امیہ قریش کے طاقتور اور بااثر خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ ابتدا میں اس خاندان کے بعض افراد اسلام کے مخالف تھے، لیکن فتح مکہ کے موقع پر ان میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔

اسی خاندان کے افراد میں بعد میں بڑے صحابہ پیدا ہوئے، جیسے:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (خلیفہ سوم)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (کاتبِ وحی)(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء)

پہلا نکاح

آپ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا جو ام المؤمنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ)

قبول اسلام

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش دونوں نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔(ابن حجر، الاصابہ)

ہجرت حبشہ

جب مکہ میں مسلمانوں پر ظلم بڑھ گیا تو آپ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی دوسری ہجرت میں شامل ہوئیں۔ وہاں مسلمانوں کو نجاشی بادشاہ کی طرف سے امن حاصل ہوا۔(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ)

شوہر کا ارتداد اور وفات

حبشہ میں قیام کے دوران آپ کے شوہر عبید اللہ بن جحش اسلام سے پھر گئے اور عیسائی ہو گئے۔ بعد میں وہ اسی حالت میں وفات پا گئے۔ اس واقعہ کے بعد سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بہت مشکل حالات میں رہ گئیں لیکن انہوں نے صبر اور استقامت اختیار کی۔(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ)



رسول اللہ ﷺ سے نکاح

جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو پیغام بھیجا کہ وہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیں۔ نجاشی نے صحابہ کی موجودگی میں نکاح پڑھایا اور 400 دینار مہر اپنی طرف سے ادا کیا۔ بعد میں آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں اور ام المؤمنین کے مقام پر فائز ہوئیں۔ (مسند احمد؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ)

محبت رسول ﷺ

ایک مرتبہ آپ کے والد ابوسفیان (جو اس وقت تک دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے) مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر سمیٹ لیا اور فرمایا:

یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ ابھی ایمان نہیں لائے۔ اس واقعہ سے آپ کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ؛ ابن حجر، الاصابہ)

اتباعِ شریعت

جب آپ کے والد ابوسفیان کا انتقال ہوا تو آپ نے صرف تین دن سوگ کیا اور اس کے بعد خوشبو استعمال کی۔ آپ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ کسی عورت کے لیے شوہر کے علاوہ کسی کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ جائز نہیں۔ (صحیح بخاری؛ صحیح مسلم)

عبادت

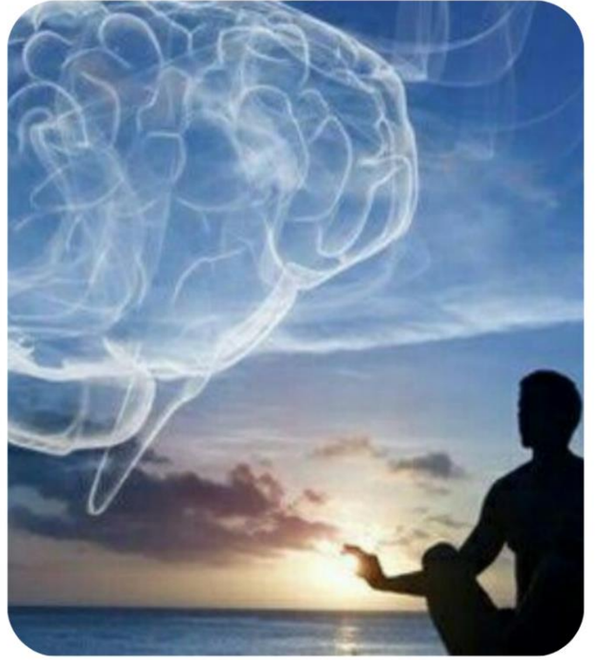
آپ عبادت گزار خاتون تھیں۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص روزانہ بارہ رکعت نفل پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے یہ حدیث سنی ہے میں نے ان رکعات کو کبھی ترک نہیں کیا۔ (صحیح مسلم)

وفات

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 44 ہجری میں تقریباً 74 سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کو جنت البقیع، مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء)

مجنوں کی دانائی



محترمہ رعنا دلبر صاحبہ

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے قسم اٹھائی تھی کہ شادی کرنے سے پہلے سو آدمیوں سے مشورہ کروں گا۔ چنانچہ اس نے ننانوے آدمیوں سے مشورہ کیا، ایک باقی رہ گیا۔ اس نے عزم کیا کہ کل صبح جو سب سے پہلے آدمی ملے گا، اس سے مشورہ کروں گا۔

صبح ہوتے ہی گھر سے نکلا تو سب سے پہلے جو شخص ملا وہ مجنون اور پاگل تھا، بچوں والے لکڑی کے گھوڑے پر سوار تھا اور اسے گلیوں میں ادھر اُدھر دوڑا رہا تھا۔ وہ آدمی بڑا پریشان اور غمگین ہوا کہ پاگل سے کیا مشورہ کروں؟ مگر اس نے پختہ عہد کیا ہوا تھا کہ سب سے پہلے ملنے والے ہی سے مشورہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اس مجنون کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا تو اس مجنون نے کہا: میرے گھوڑے کے آگے سے ہٹ جائیں، کہیں گھوڑا تمہیں لات نہ مار دے۔

اس آدمی نے کہا کہ میں نے تم سے ایک مشورہ کرنا ہے، ذرا اپنا گھوڑا روک دیں۔ تو اس نے روک دیا۔ پھر اس نے اپنی قسم کا سارا قصہ سنایا اور اپنا عزم بھی بیان کیا اور پوچھا کہ آپ کا اس بارے میں کیا مشورہ ہے؟

مجنون نے کہا: عورتیں تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو ساری تیرے لیے ہے، دوسری وہ جو ساری کی ساری تیرے لیے مضر ہے، تیسری وہ جو مضر و نافع دونوں ہو سکتی ہے۔ پھر مجنون نے کہا: گھوڑے سے بچیے، کہیں تمہیں لات نہ مار دے، اور چلا گیا۔

اس شخص کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے اس کی تفصیل یہاں نہیں کی۔ چنانچہ پھر اس کے پیچھے بھاگا اور کہا: ٹھہریں، مجھے اپنی بات کا مطلب تو سمجھا کر جائیں۔

اس نے کہا: جو عورت ساری تیرے لیے ہے وہ کنواری عورت ہے، اس کا دل اور محبت تیرے لیے ہے کیونکہ تیرے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتی۔ جو عورت تیرے لیے مضر ہے وہ شادی شدہ، صاحبِ اولاد ہے۔ وہ مال تیرا کھائے گی اور روئے گی اپنے پہلے خاوند پر۔ اور جو عورت تیرے لیے نافع اور ضرر دونوں کا احتمال رکھتی ہے وہ بے اولاد شادی شدہ عورت ہے۔ پس تو اگر اس کے پہلے خاوند سے بہتر ثابت ہوا تو وہ تیرے لیے نافع ہے، ورنہ وہ تیرے لیے مضر ہے۔

پھر وہ چلا گیا تو اس آدمی نے کہا: آپ کا کلام تو داناؤں جیسا ہے اور عمل مجنون جیسا ہے۔ تو مجنون نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل نے مجھے قاضی بنانا چاہا، میں نے انکار کیا مگر انہوں نے اصرار کیا، تو میں نے اس معاملے سے جان چھڑانے کے لیے اپنے آپ کو مجنون بنایا۔ (بستان العارفین از فقیہ ابو اللیث)





نجومی گدھا



محترمہ ام عائشہ صاحبہ

نصیر الدین طوسی جو عام طور پر ”محقق طوسی“ کے نام سے مشہور ہیں اور منطق و فلسفہ میں مسلم الثبوت علامہ شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کسی عالمِ ربانی کی زیارت کے لئے گئے۔ حاضرینِ مجلس نے ان کا بڑا احترام کیا اور لوگوں نے عالمِ ربانی سے ان کا تعارف اس طرح کرایا کہ یہ اس وقت سب سے زیادہ باکمال اور صاحبِ علم ہیں۔

عالمِ ربانی نے دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ ان کو کسی علم میں کمال حاصل ہے؟

لوگوں نے کہا: ”علمِ نجوم میں۔“

یہ سنتے ہی عالمِ ربانی کو بڑی کوفت ہوئی اور انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ سفید گدھا ان سے زیادہ علمِ نجوم کا ماہر ہوتا ہے۔

عالمِ ربانی کی اس گفتگو سے انتہائی برہم ہو کر نصیر الدین طوسی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔ اتفاق سے اس سفر میں ایک گدھے والے کے مکان پر رات بسر کرنی پڑی۔ نصیر الدین طوسی نے مکان کے باہر صحن میں اپنا بستر جمایا تو ایک دم گدھے والا کہنے لگا کہ آپ مکان کے اندر بستر لگائیں کیونکہ عنقریب بڑی خوفناک بارش ہونے والی ہے۔

نصیر الدین طوسی نے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ بارش ہونے والی ہے؟



گدھے والے نے یہ جواب دیا کہ صاحب! میرا یہ سفید گدھا جس رات تین مرتبہ اپنی دم آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے تو رات بھر بارش نہیں ہوتی اور جب یہ اپنی دم زمین کی طرف جھکا کر ہلاتا ہے تو میرا برسوں کا تجربہ ہے کہ اس رات ضرور زوردار بارش ہوتی ہے۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہی شدید بارش شروع ہو گئی اور سیلاب آ گیا۔ اب نصیر الدین طوسی کو خیال آیا کہ واقعی عالمِ ربانی نے ٹھیک ہی فرمایا تھا کہ سفید گدھا نصیر الدین طوسی سے زیادہ علمِ نجوم جانتا ہے۔(روح البیان، ج1، ص197)

علماءِ ربانیین کے الفاظ معمولی نہیں ہوتے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں، نورِ بصیرت اور گہرے مشاہدے کی بنیاد پر فرماتے ہیں۔ اس لیے ان کی مجالس میں حاضر ہو کر ان کے ارشادات کو غور سے سننا چاہیے۔

اگر کوئی بات ہماری سمجھ سے بالاتر محسوس ہو تو فوراً اس کا انکار یا رد نہیں کرنا چاہیے، بلکہ سکون کے ساتھ اس پر غور کرنا چاہیے۔

چند کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص عالمِ ربانی نہیں بن جاتا۔ علم ایک چیز ہے اور علم کے نور سے دل کا روشن ہونا، فراست اور بصیرت پیدا ہونا ایک دوسری چیز ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

5 کاموں میں جلدی!

امام حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے مگر 5 چیزوں میں جلدی کرنی چاہیے:

1. مہمان آجانے کے بعد کھانا کھلانے میں
2. موت کے بعد میت کی تجہیز و تکفین میں
3. لڑکی کے بالغ ہو جانے کے بعد اس کی شادی کرانے میں
4. قرضے کی ادائیگی میں جب ادائیگی کا وقت آپہنچے
5. گناہ ہو جانے کے بعد توبہ کرنے میں۔"

حلية الاولياء لابي نعيم الاصبهاني: حاتم الاصم)